

مسلمانوں پر ہندو سماج کے اثرات

مولانا محمد سعود عالم قاسمی

عمرانی اور سماجی نقطہ نظر کے مطابق چند انسانی گروہ جب ایک ساتھ رہتے اور بستے ہیں تو افکار و خیالات اور اوضاع و رسوم کا یا بھی تبادلہ ہوتا ہے ہر گروہ دوسرے پر اپنے اثرات ڈالتا ہے اور دوسرے کا اثر قبول کرتا ہے، یہ اثر انگریزی اور انگریزی زبان کے گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت سی چیزوں کو قدر مشترک بنا دیتی ہے اور ایک وقت وہ بھی آتا ہے کہ یہ قدر مشترک ان گروہوں کا سرمایہ بن جاتی ہے، ہر چند کہ اسلام متین اصول و اقدار کا حامل اور ان کے سلسلے میں کسی مصالحت یا ممانعت کا قائل نہیں ہے اس کے باوجود مسلمانوں نے ہندوستان میں طویل قیام کے دوران جہاں اہل وطن پر اپنے اثرات ڈالے وہاں ان کے طرز معاشرت سے بہت کچھ اخذ بھی کیا اور اسے اپنے طرز معاشرت کا حصہ بنالیا۔ ایک ایرانی دانشور علی اصغر حکمت لکھتے ہیں۔

”درجہاں کمتر اتفاق افتاده است کہ دو تمدن عظیم از دو نوع مختلف بادو مابہیت متضاد مانند تمدن اسلام و تمدن ہندو ازم بیکدگر تلاقی کردہ و باہم ایں چنین امیختگی و اختلاط حاصل کنند ایں دو تمدن کہ از حیثیت نوع و نژاد مردم از حیثیت اداب و رسوم طبقات و بالاخر از حیثیت تفرقات مذہبی و اندیشہ ہائے فلسفی ذاتا منایر با یکدگر بودند و بیگونہ قرابت و مشابہتی با یکدگر نداشتند۔ دریں سرزمین بر خورد نمودند و در طول مدت بہشت صد سال تمدن نے عبیدی بوجود آورند کہ از ایں آثار نمایاں و برجستہ بجائے مانده است۔“

”دنیا میں ایسا اتفاق کم ہی ہوا ہے کہ اسلام اور ہندو مت کی مانند دو عظیم تمدن جن کی نوعیت مختلف اور جن کی مابہیت متضاد ہو ایک دوسرے

کے ساتھ ہم آہنگ ہوئے ہوں اور اس طرح اختلاط اور قربت حاصل کی ہو کہ یہ تمدن جو کہ لوگوں کی نسل اور نوعیت کے لحاظ سے اور مختلف طبقات کے آداب و رسوم کے لحاظ سے اور آخر میں مذہبی اختلاف اور فلسفیانہ افکار کے لحاظ سے باہم متضاد تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ کسی قسم کی قرابت اور مشابہت نہیں رکھتے تھے، اس سر زمین (ہندوستان) میں غذا حاصل کرتے ہیں۔ اور آٹھ سو سال کی طویل مدت میں ایک نئے تمدن کو وجود عطا کرتے ہیں جو کہ ان آثار سے جدا اور متضاد ہیں۔

برہمن نژاد ہندو تہذیب کے بارے میں تو یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اس کا مزاج مصالحت آمیز ہے وہ بقائے باہم کی نہ صرف حامی ہے بلکہ وہ ہمیشہ "کثرت میں وحدت" تلاش کرنے کی قائل رہی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بدھ مت جو برہمنیت کی ضد تھی اور اس کے رد عمل کے طور پر وجود میں آئی تھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ اسے ہندو مت نے اپنے اندر جذب کر لیا، اور اپنے دیوتاؤں کی فہرست میں ایک نئے دیوتا بدھ دیوی کا اضافہ کر لیا، شنگرا نالیوں کا دیوتا تھا آری اسے اپنا دشمن خیال کرتے تھے ایک زمانہ کے بعد اسے بھی اپنا لیا گیا اور اب شنگر کی یوگا سبیتوں سے زیادہ ہوتی ہے، اسلام کا بے لچک تصور تو حید جو ذرہ برابر بھی شرک کی آمیزش گوارہ نہیں کرتا ہندو مت میں اس کے لیے بھی گنجائش پیدا کرنے کی کوشش کی گئی مگر ہندو مذہب کے برعکس اسلام کا مزاج اقبال کی زبان میں یہ ہے کہ بظاہر دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے شرکت میاں حق و باطل نہ کر قبول

اس لیے مسلمانوں کے اس رویہ پر حیرت ہوتی ہے جو انھوں نے ہندو تہذیب و معاشرت کے سلسلہ میں اختیار کیا، ان کی بے احتیاطی نے ان کے صاف و شفاف عقائد کو آلودہ کر دیا اور ہندو مذہب کی رسموں اور دیو مالائی عقیدوں کی نیونگیوں نے ان کو مسخ کر ڈالا لیوں تو اصولی اور نظری اعتبار سے وہ "صفت اللہ" یعنی اللہ کے رنگ کے دعوے دار رہے مگر زندگی کے مختلف گوشوں میں ہندو مت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آئینہ میں اسلامی تہذیب کی جگہ ایک حد تک مخلوط "ہندو مسلم تہذیب" کے علم بردار رہ گئے فرانسیسی مورخ گسٹاف بیان ہندی مسلمانوں کے متعلق کہتا ہے کہ "مجھد چھ کروڑ مسلمانوں

مسلمانوں پر ہندو سماج کے اثرات

کے جو دین اسلام کے پیرو ہیں بہت ہی تھوڑے ایسے ہیں جو ہندو میل جول سے محفوظ ہیں اگرچہ مسلمان بہت سی خصوصیات میں بالکل ہندوؤں سے علیحدہ ہیں لیکن فی الواقع ہندو ان سے اس قدر متاثر نہیں ہوئے جتنا یہ ہندو سے ہوئے، اسی وجہ سے اگر وہ کل خصائص جو ہندو میں مشترک ہیں ان میں نہ بھی پائی جائیں تاہم بڑا حصہ ہندوؤں کے خصائص کا مسلمانوں میں موجود ہے۔ ۱۷

اخذ قبول اور اثر پذیری کا معاملہ اگر طے شدہ اصولوں اور ضابطوں کے تحت ہو تو یہ تہذیبوں کی بقا اور ارتقا میں صحت مند رول ادا کر سکتا ہے مگر جب یہ اصول و ضوابط نظر انداز کر دئے جائیں اور ہر اچھی بری چیز کی تقلید شروع ہو جائے تو تہذیبوں پر اس کے مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں اور بعض حالات میں قوموں کا تہذیبی شخص مبہم اور مضطرب ہو جاتا ہے، بطور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں نے برادران وطن کے رسم و رواج خیالات اور فنون سے اخذ و استفادہ کرتے وقت بہت سی چیزوں میں اسلامی اصولوں اور تعلیمات سے صرف نظر کر لیا وہ یہ نہ طے کر سکے کہ کن چیزوں کو اختیار کرنا ان کے حق میں مفید ہے اور کن چیزوں کا اپنا نقصان دہ ہے جس کا نتیجہ ہوا کہ بہت سی غیر اسلامی چیزیں ہماری تہذیبی زندگی کا حصہ بن گئیں جو کہ اصلاً ہندوانہ طرز معاشرت اور نظر پرچیا کا حصہ ہیں اور اسلامی روایت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

مسلمانوں کے دور حکومت میں ہندو تہذیب کی اثر انگیزی کی تحریک شعوری طور پر اس وقت سے شروع ہوتی ہے جبکہ خسرو خاں (بروارچیم) اپنے آقا قطب الدین مبارک شاہ کو قتل کر کے دہلی سلطنت پر قابض ہوا، خسرو خاں گجرات کے مہارذات سے تعلق رکھتا تھا جسے ہندو سماج میں نیچ ہی سمجھا جاتا تھا، مبارک شاہ نے اسے اپنا ملازم پھر ممتاز اور ندیم بنالیا تھا، مگر جب قطب الدین مبارک شاہ کی حکومت میں اس کے اثرات بڑھے تو برہمنوں نے بڑی چالاکी سے اسے اپنی سیاسی اور تہذیبی تحریک کا آلہ کار بنالیا، چنانچہ اس نے حکومت کا تختہ الٹتے ہی علانی خاندان کے بچے و جوان سب کو قتل کر دیا۔ اس نے یہ باور کر لیا کہ اب ہندو تہذیب کو بزور طاقت پھیلایا جاسکتا ہے اس لیے اس نے مسجدوں کو بت کدوں میں تبدیل کر دیا۔ قرآن کے نسخے جمع کر کے کرسی بنائی اسلام کی تذلیل اور مسلمانوں کا قتل شروع کیا اور ہندو رسم و رواج کی

اشاعت شروع کی تھی۔ دہلی اور اس کے اطراف اس کی حکومت کے جواثرات پڑے وہ بقول ملا عبدالقادر بدایونی یہ تھے :

”شعائر اسلام رو بہ نزل نہاد و رسوم ہندوی و عادات کفر و رواج یافت و بت پرستی و تخریب مسجد شائع شد“

یعنی شعائر اسلام کو تنزل ہوا ہندوانہ رسوم اور کفریہ عادات نے رواج پایا، بت پرستی اور مسجدوں کی تباہی عام ہو گئی

خسرو خاں ہندو تہذیب کا علم بردار اور ہندوؤں کا لیڈر سمجھا گیا اور تمام اطراف کے بھٹ پند اس کے گرد جمع ہو گئے، خسرو خاں نے بہت سرعت کے ساتھ ان ہندو کو مناصب اور مراعات دینی شروع کر دیں۔ بڑی تعداد میں ان کو فوج میں داخل کیا چنانچہ تھانسی کے مقام پر چب غیاث الدین تغلق سے اس کی جنگ ہوئی تو اس کی فوج نے نارائن نارائن کے نعرے لگائے۔

ہندو تہذیب کی مسلم حکومت میں اشاعت اور فروغ کا دوسرا زریں موقع دور اکبری میں میسر آیا جس کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جرات و قوت کے ساتھ استعمال کیا گیا۔ اکبری سرپرستی میں مہابھارت، رامائن، بھگوت گیتا اور اتھروید وغیرہ کے جو فارسی میں ترجمے ہوئے وہ صرف ایک علی سرگرمی کا آئینہ دار نہ تھے بلکہ اس پوری ذہنیت کی عکاسی کرتے تھے جس میں ہندوؤں کو بے قید آزادی عطا کرنا، برہمنوں کو ٹیکس کلکٹر مقرر کرنا۔ ہندو کمانڈروں کو اپنی فوج میں شامل کرنا، برہمن غورتوں کو اپنے حرم سرا میں داخل کرنا اور ہندو ذہنیت کی رعایت کرنا وغیرہ شامل تھا، بالخصوص ہندو غورتوں نے حرم سرا میں آکر نہ صرف بادشاہ اور اس کے خاندانی ماحول کو متاثر کیا بلکہ وہ اپنے ہم مذہبوں کو فوج اور اعلیٰ عہدوں تک پہنچانے کا ذریعہ بھی ثابت ہوئے۔ بلکہ ایک اہم تاثر یہ ہے کہ اکبری ہندو بیویوں اور راجہ بیربل کے زیر اثر ہندو مزاج بن چکا تھا۔ اٹھ اکبری کے دور میں ذبیحہ گائے پر پابندی عائد ہوئی، آفتاب کی پرستش شروع ہوئی، قشقہ اور زناہ کو فروغ دیا گیا۔ یہ سب ہندو احیاء پرستی کو مضبوط کرنے کی بلا واسطہ یا بالواسطہ کوشش تھی، ان ساری کوششوں کے دور رس منفی اثرات مسلم سماج پر مرتب ہوئے۔ دوسری طرف اسلام کی اشاعت اور قبول اسلام کے روز افزوں واقعات اور مسلمانوں

مسلمانوں پر ہندو سماج کے اثرات

کے اقتدار سے غیر مسلموں میں اپنے مذہب کے متعلق مایوسی اور عدم اطمینان کا احساس ابھرا وہ یہ سمجھنے لگے کہ اسلام کی اشاعت کے بعد ان کا مذہبی نظام بکھرے سے نہیں بچ سکتا۔ اس کے تدارک کے لیے ویدوں کی تحریک پر مبنی مزاحمت شروع ہوئی اور ہندو مت کو زوال سے بچانے کی منصوبہ بند کوششوں کا آغاز ہوا، بھگتی تحریک اسی کا ایک حصہ ہے۔ اس کی بنیاد بھگوت گیتا اور دیگر مذہبی کتابوں پر رکھی گئی، اس کے بانی جنوبی ہند کے دو برہمن الوار اور اڈار تھے اس تحریک کو فلسفیانہ رنگ دینے شکر آچاریہ کے بلند الطبعیاتی نظام کی شکل عطا کرنے اور ویدانتوں کے اصولوں پر ترقی دینے کا کام راماچ نے کیا، پھر جنوبی ہند سے یہ تحریک شمالی ہند میں منتقل ہوئی جہاں اس نے وشنو مت کو مضبوط کیا اور بھگتی پوران کی طرف رہنمائی کی، اسی لیے اس تحریک کو دوا اور میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا دور جنوبی ہند میں اس کے آغاز سے لے کر تیرہویں صدی عیسوی تک اور دوسرا دور تیرہویں صدی عیسوی سے لے کر سترہویں صدی عیسوی تک شمالی ہند میں اس تحریک کا سابقہ براہ راست اسلام سے پیش آیا، اور اسلام کے تصور تو حید نے اس کے حاملین کو بہت حد تک متاثر کیا، جس سے اس تحریک میں اک نئی قوت حیات پیدا ہوئی اور جس کے ذریعہ اس نے اسلام کے مقابلے میں ہندو روحانیت کی داخلی محافظت اور دفاع کا حصار قائم کیا، مقصد اس اسلامی سیلاب کو روکنا تھا جو غارت گرد باطل بن کر رونما ہوا تھا۔ اس تحریک کے سرکردہ افراد میں ایک نمایاں شخصیت راماند کی تھی جو مسلم صوفیاء سے متاثر ہوا اور بنارس میں مسلمان علماء و مشائخ سے روحانی استفادہ کیا، راماند کے متبعین کے دو حلقے تھے، ایک حلقہ قدامت پرست ہندوؤں کا جس نے ویدوں کی بالادستی برقرار رکھی اس حلقہ کی نمائندگی مانجوداس اور تسی داس نے کی، دوسرا حلقہ متجددوں کا تھا جس پر اسلام کے اثرات زیادہ تھے اس کی نمائندگی کبیر اور اس کے متبعین نے کی، اس طبقہ نے اسلام کے تصور تو حید کو ہندو فلسفہ پر منطبق کیا اور اس نئے طریقہ حیات کو ذریعہ نجات قرار دیا، ہندو احیاء پرستی کی یہ تحریک غالباً اسلام کے لیے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوئی ایک طرف تو غیر مسلموں کے لیے براہ راست اسلام سے قریب آنے میں رکاوٹ بنی اور دوسری طرف خود مسلمانوں پر اس کے مضر کاثرات طے چناؤ کبیر کے شاگردوں میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل

تھے، کرسٹنا سلسلہ نے بھی مسلمانوں پر غلط اثرات ڈالے، اس کی ایک مثال راس خاں کا اسلام سے مرتد ہو کر اس عقیدہ کا قبول کر لینا ہے، راس خاں نے کرسٹنائی نذریں برہم پانک بھی لکھا تھا، اس کے ارد گرد بہت سے مسلمان جمع ہو گئے تھے، شیخ محمد کے پیرو جو بھگت ہو گئے رمضان اور ایکادیشی دونوں مناتے تھے۔ اللہ

سولہویں صدی کے اوائل میں بنگال سے چٹنیہ کی وشنو تحریک شروع ہوتی ہے، یہ تحریک برہمنی نظام کے پیدا کردہ مفاسد کی اصلاح کی مدعی تھی لیکن دراصل وہ ہندو احیاء پرستی ہی کی ایک نئی شکل تھی، اس تحریک نے بنگال میں ایک طرف اشاعت اسلام کی راہ میں دلوں کو کھڑی کی دوسری طرف مسلمانوں کو ہندومت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ اس کے نتیجے میں بہت سے مسلمانوں نے وشنو مذہب اختیار کر لیا اور عام مسلمانوں کے عادات، اطوار میں ہندو مراسم اور خیالات سرایت کر گئے، روپ اور سناٹن جو چٹنیہ کے دست و بازو تھے ہندو مذہب کو چھوڑ کر مسلمان ہوئے تھے بعد میں مرتد ہو کر وشنو بن گئے، ان دونوں کو چٹنیہ نے بند رابن کے پرانے پیرتھوں کا سراغ نکانے پر مامور کیا تھا۔ چٹنیہ کا ساتھی ہری داس پہلے مسلمان تھا، پھر وشنو بن گیا، بجلی خاں افغان بہادر بھی مرتد ہو کر وشنو بن گیا، بعض دیگر روایات کی رو سے چٹنیہ نے پٹھانوں کے ایک گروہ کو ہندو بنا لیا تھا۔ غور کے حکمران حسین شاہ کا میرنشی بھی وشنو ہو گیا، شیاما نند نے کثرت سے مسلمانوں میں وشنو مت کی اشاعت کی اور مسلمان مزدوروں کو اسے اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں اور وشنوئوں کا ایک ملا جلا فرقہ وجود میں آیا، سیرائیوں کے متعلق دبستان مذاہب میں لکھا ہے کہ ان میں مسلمان بھی داخل تھے اور وشنو کی پرستش کرتے تھے، اس حلقہ میں محض جاہل عوام ہی نہ تھے بلکہ شریف اور اصحاب حیثیت لوگ بھی شامل تھے، مرزا حیدر اور مرزا صالح بھی سیرائی ہو گئے تھے۔ شاہ برکت اللہ کے مریدوں میں جین سیرائی اور کرشن داس سیرائی کے نام آتے ہیں۔ وشنو مت کے اثرات یہاں تک پہنچے کہ چشتی مشائخ کی مجالس سماع میں ”بشن پد“ یعنی وشنو گیت گائے جاتے اور اصحاب حال ان پر وجد کرتے، ہندو لوگوں کے مسلمان شاگرد ہوتے اس طرح اسلامی عقائد اور تعلیم پر برہمن کلچر کا غبار چھانے لگا۔ ہندو عقائد اور رسوم مسلمانوں میں پھیلنے لگے۔ نوبت یہ تھی کہ بنگال کی مسلم عورتیں بالعموم بھوانی یا کالی مائی کی پوجا کرتی تھیں۔

مسلمانوں پر ہندو سماج کے اثرات

ستیلماائی کی بھی پرستش ہوتی تھی اور چچیک کی وبا کے ایام میں چند مخصوص غیر اسلامی رسوم ادا کیے جاتے تھے، مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے ”در وقت عروض جدری کہ در زبان ہند ستیلہ معروف است مشہور و محسوس است کہ کم زنیے باشد کہ از دقاق ایں شرک خالی بود و بر ستمے از رسوم آں در انجا اقدام نہ نمایند“ چچیک کی بیماری کے زمانہ میں جو ہندی زبان میں ستیلہ سے معروف ہے، کم ہی عورتیں ہوں گی جو اس شرک سے محفوظ رہیں گی اور ان کی رسوم ادا نہ کرتی ہوں گی۔ اس سے بھی زیادہ حیرتناک بات یہ تھی کہ ہندو اور مسلمان دونوں مندر میں بھوک چڑھانے لگے تھے اور ہندو مزاروں پر شیرینی چڑھاتے تھے، ان خیالات اور رسموں کے باہمی اتحاد سے ایک ایسا معبود وجود میں آ گیا تھا جو ”ست پیر“ کے نام سے مشہور ہوا، اس کی ہندو اور مسلمان ایک ہی طرح پرستش کرتے تھے سلطان حسین شاہ کو اس عقیدہ کا بانی خیال کیا جاتا ہے۔ مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوب میں جو ایک صالحہ عورت کے نام ہے یہ بھی لکھا ہے کہ اکثر زناں بواسطہ کمال جہل کہ دارند باس استمداد ممنوع مبتلا اند و طلب دفع بلیہ ازیں اسما مسمی می نمایند و بادائے مراسم اہل شرک گرفتار اند۔ اکثر عورتیں کمال جہالت کی وجہ سے ممنوعات سے استمداد کرتی ہیں اور ان ممنوع ناموں کو بلاؤں کے دفع کرنے میں پکارتی ہیں، اور اہل شرک کے مراسم میں گرفتار ہیں۔

اٹھارویں صدی عیسوی کے نصف اول میں شیونارائی فرقہ وجود میں آیا، اس کا بانی سوامی نارائن سنگھ زروئی راجپوت قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا، اور ضلع بلیا کے موضع چند رادر کا باشندہ تھا۔ اس فرقہ نے بھی مسلمانوں کو اپنے مہمانانہ و مفسدانہ عقیدہ کا گرویدہ بنالیا، محمد شاہ (رنگیلا) اس کا مرید تھا جیسا کہ اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے ”اس نے محمد شاہ کو کلمہ سکھایا اور اس کی مہر حاصل کر کے اپنے فرقہ کی تبلیغ کی۔ انیسویں صدی میں برپا ہونے والی فرائضی تحریک سے پہلے اور بعض مقامات پر اس کے بعد بھی بنگال کے مسلمانوں پر ہندو رسوم و نظریات کا بڑا اثر تھا۔ بہت سے مسلمانوں کے نام ہندوانہ تھے، ان کی عادات میں ہندو اثرات کی جھلک تھی بنگالی ادب جس نے مسلمانوں کو نئے ڈھنگ سے متاثر کیا ہندو ادب ہی کی احمائی صورت تھی۔ شاہ عبدالعزیز کے ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ میں بہت سے لوگ کلمہ بھی پڑھتے تھے اور بتوں کو بھی

پوجتے تھے اور بتوں کو خدا کی مخلوق سمجھتے تھے۔

مسلمانوں میں ہندوانہ افکار و خیالات کے نفوذ کا ایک بڑا ذریعہ بعض صوفیاء کرام کی وسیع المشربتی غیر محدود رواداری اور صلح کل کی پالیسی ہے۔ ہندوستان میں تصوف نے بالعموم جو صورت اختیار کی اس نے بہت سی چیزوں میں اسلام اور ہندومت کے فرق کو کمزور کر دیا، اور بقائے باہم کی کوشش نے ہندو ازم اور اسلام کے درمیان گویا ایک پل کا کام دیا۔ ویدانت کے نظریہ وحدت الوجود نے تصوف کے ساتھ احتلاط اور اعتبار حاصل کیا اور صوفیاء کے اندر ہندی فلسفہ کے بہت سے نظریات معروف ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک شام خواجہ نظام الدین اولیاء اپنی خانقاہ کی چھت پر ٹہل رہے تھے اسی وقت کچھ ہندو جنہا کے کنارے پوجا کرنے میں مشغول تھے ان کے ایک مرید نے ان کی توجہ ادمر مبذول کرائی تو شیخ نے فرمایا:

”ہر قوم راست را ہے دینہ و قبلہ گاہ ہے“

وحدة الوجود کی رو سے تمام موجودات ایک ہی وجود کا حصہ ہیں اس لیے ان کی پرستش منطقی طور پر خدا ہی کی پرستش ہوگی۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی شیخ کے اس قول کی وضاحت اسی طرح کرتے ہیں ”اس مصرع میں مذہبی رواداری کا ایک بے پایاں جذبہ سمٹ آیا ہے ایک ایسے دور میں جبکہ مسلمانوں کا اقتدار نصف النہار تک پہنچ چکا تھا ایک مذہبی پیشوا کا یہ بے ساختہ ارشاد صرف مذہبی رواداری کا ہی نہیں بلکہ ایک ایسی فکر کا بھی آئینہ دار ہے جس نے ہندوستان کی تہذیب کے جلوہ ندرنگ کو دیکھ لیا ہو اور جو یہاں کے تہذیبی نقشہ میں سردین اور ہر قبلہ گاہ کو دیکھنے کے لیے تیار ہو۔ نظامی صاحب چشتی سلسلہ کی مقبولیت کا راز بھی مشائخ چشت کی اس صلاحیت کو قرار دیتے ہیں جس کی بدولت وہ یہاں کے حالات، یہاں کے لوگوں کے مذہبی نقطہ نظر نیز ان کی آرزوں اور انگلوں کو سمجھنے کے قابل ہو سکے تھے وہ سمجھتے ہیں کہ ”ہندوستان میں چشتی سلسلہ کے ارتقا کے ابتدائی ایام میں انھوں نے بہت سے ہندو مراہم کو اختیار کر لیا تھا، شیخ کے سامنے سرنگوں ہونا، زائرن کی پانی سے تواضع، زینیل گردانی، چیدھکوس، نئے مریدین کے سر کے بال ترشوانا اور سماع کی محفلیں ہندو اور بدھ رسوم سے بہت حد تک مشابہت رکھتے ہیں اور یہی سبب ہے ہندوستان کے غیر مسلم ماحول میں چشتی سلسلہ کی مقبولیت کا“

مسلمانوں پر ہندو سماج کے اثرات

یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کلام کے نظام تربیت میں ہندو اور مسلمان ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا بلکہ صوفیاء سے اعتقاد رکھنا اہم تھا، چنانچہ شیخ کلیم اللہ دہلوی نے اپنے خلیفہ اعظم شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کو لکھا ”صلح باہند و مسلمان سازندہ ہر کہ ازیں دو فرقہ کہ اعتقاد بشما داشتہ باشد ذکر و فکر و مراقبہ و تعلیم اور ایگویند کہ ذکر خاصیت خود اور اہم بقہ اسلام خواہد کشید، و باغیر معتقد اگرچہ سید زادہ باشد تعلیم نہ باید کرد“ (ہندو اور مسلمان کے ساتھ صلح رکھیں ان دونوں میں سے جو کوئی تمہارے ساتھ اعتقاد رکھتا ہو اس کو ذکر و فکر و مراقبہ اور تعلیم بتائیں، کیونکہ ذکر کی خاصیت اس کو خود ہی اسلام کی طرف کھینچ لے گی، اور غیر معتقد کو اگرچہ وہ سید زادہ ہی کیوں نہ ہو تعلیم نہ دینی چاہیے شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے منقول ہے کہ ”ایں چہ شور و ایں چہ غوغا کشادہ کسے مومن و کسے کافر، کسے مشیع کسے عاصی کسے در راہ کسے بے راہ کسے مسلم کسے پار ساء کسے ملحد کسے ترسا ہر دریک سداک است“ (یہ کیا شور و غوغا ہے کہ کوئی مومن ہے کوئی کافر، کوئی مطیع ہے کوئی نافرمان کوئی راہ پر ہے، کوئی بے راہ کوئی مسلم کوئی پار ساء ہے کوئی ملحد کوئی ترسا، یہ سب ایک ہی لڑی میں ہیں) اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مسلم و کافر میں کوئی فرق و امتیاز نہیں تو دونوں اللہ کے یہاں یکساں مقام و مرتبہ کے بھی حق دار ہوں گے، چنانچہ خواجہ نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ خواجہ حمید الدین سوالی ناگور کے ایک ہندو کی نسبت ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ خدا کا ولی ہے۔

ملا شاہ قادری (داراشکوہ کے پیر) کے حلقہ ارادت میں ایک ہندو کوالتھ بھی شامل تھا جو ”ونی رام“ کے نام سے مشہور ہوا، اس کے متعلق دبستان ملاہبیلر لکھا ہے کہ ”بابت و بتخانہ آشنا است و از مسجد بیگانہ نیست“ (بت اور بتخانہ سے بھی آشنا ہے اور مسجد سے بھی بیگانہ نہیں ہے) ایک اور درویش کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مسجد اور مندر دونوں کی تعظیم کرتا تھا، مسجد میں مسلمانوں کی طرح نمازیں پڑھتا اور مندر میں ہندوؤں کے آئین کے مطابق پوجا اور ڈنڈوت یعنی مراسم پرستش ادا کرتا۔ شاہ غوث قلندر نے ایک کسبل پوشش درویش کے بارے میں لکھا ہے کہ ”ان کی نظر میں اسلام اور کفر برابر تھے۔ اگر کوئی فرق تھا تو ایسا کہ دونوں تضادات لازم و ملزوم تھے۔“

حضرت صوفیاء بھی ہندومت کا اثر پایا جاتا تھا، قادری سلسلہ اس سلسلہ میں زیادہ

ہی مشہور تھا۔ داراشکوہ اور جہاں آرا کی ہندومت سے اثر پذیری بہت مشہور ہے
 اول الذکر کی مرتب کردہ کتاب ”مجمع البحرین“ اس کی بہترین مثال فراہم کرتی ہے۔
 داراشکوہ نے رامائن، گیتا اور اپنشد کے سراسر اور جوگ ویشت کے ناموں
 سے ترجمے بھی کیے تھے اس کے نزدیک اسلام اور ہندومت ایک ہی حقیقت
 کے دو رخ تھے اور دونوں مذہبوں کو ایک ہی سرچشمہ کی لہریں قرار دیتے تھے۔
 شطاری سلسلہ جو بایزید بسطامی کی طرف منسوب ہے اور ہندوستان میں عبداللہ شطاری
 محمد قاضی، محمد غلام شطاری، محمد غوث گویاری جیسے شیوخ اس سلسلہ سے وابستہ تھے،
 ہندومت سے خاص طور پر متاثر تھا۔ ہندو لوگ بھی اس سلسلہ میں ایک قابل ذکر شے
 ہے۔ ”بحر الحیات“ پہلی کتاب ہے جو ہندو لوگ پر ایک مسلمان (حضرت غوث) کی طرف
 سے لکھی گئی۔ نیز بہت سے اوراد و وظائف بھی ہندومت کے مائل اختیار کر لیے گئے۔
 مثال کے طور پر پائی ہوکا ورد اپنشد سے ماخوذ ہے۔ اس میں باسے مراد ہوا، ہی سے آگ
 ہو سے سورج اور اوہو سے تمام خدا مراد ہوتے ہیں۔
 روشنبہ سلسلہ پر بھی ہندومت کی
 بڑی چھاپ تھی، اس سلسلہ کے شیخ پیر وخال نے نظریہ تناسخ ارواح (اولمن) کو اپنی
 تعلیمات کا جزو بنالیا تھا۔ ان کے مریدوں میں ہندو بھی تھے جنہیں وہ ہندی زبان
 میں تعلیم دیا کرتے تھے۔
 مرتضیٰ مجذوب کی طرف لکھی کتابیں منسوب کی جاتی ہیں ان
 میں ایک پداوی بھی ہے جو بنگالی وشنو گیتوں کی کتاب ہے، دوسری لوگ قلندر ہے
 اس میں داراشکوہ کی مجمع البحرین کی طرح اسلامی تصوف اور ہندو لوگ کی ہم آہنگی
 کا اظہار ہے، ایسی کتابیں اٹھارہویں صدی میں کثرت سے لکھی گئیں اور ان میں تصوف
 کے خیالات لوگ کی زبان میں ادا کیے گئے، شیخ عبدالحق ردو لوی ہندی، لوگ سے
 بہت متاثر تھے وہ لوگوں کے جس دم کے قائل تھے وہ خود اور ان کے مرید ہنسوں
 زمین میں دفن رہ سکتے تھے، اور اس کو چائز قرار دینے کے لیے نماز معکوس کہتے تھے۔
 جس دم سے اشتغال رکھنے والے دوسرے صوفیاء میں خواجہ معین الدین چشتی، ملا
 شاہ قادری، ابوعلی قلندر پانی پتی اور شیخ حسین کے نام لیے جاتے ہیں۔
 نظریات کی
 کمزوری اور مذہبی مہارت کے ساتھ تبلیغی مساعی کا ایک طرف اگر یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں
 کا حلقہ وسیع ہوا اور اسلام لانے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو دوسری طرف یہ بھی

مسلمانوں پر ہندو سماج کے اثرات

ہو اگر مسلمانوں کی عمومی زندگی اسلامی تعلیمات کی باندہ نہ رہ سکی اور آئیڈیل اسلامی تہذیب کی بقا اور ارتقاء تھوڑے ہو گئی۔ ڈاکٹر عابد حسین مسلم صوفیاء اور ہندو جھگڑوں کے کارناموں پر یوں روشنی ڈالتے ہیں ”وہ مذہب کو رسوم و قیود سے تو نہ آزاد کر اسکے لیکن انھوں نے مذہبی زندگی کے جوہر کو توڑ کر اس میں روانی، تازگی، حرکت اور زندگی پیدا کر دی وہ سطح کے اوپر اسلام اور ہندومت کے دھاروں کو نہیں ملا سکے لیکن انھوں نے یہ محسوس کر دیا کہ سطح کے نیچے کہیں نہ کہیں ان دونوں کے سوتے ضرور ملتے ہیں۔“ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد اور یکجہتی پیدا کرنے کا نتیجہ ایک مشترک کلچر کی شکل میں رونما ہوا جو نہ تو خالص مسلم کلچر تھا اور نہ اسے خالص ہندو کلچر ہی کہا جاسکتا ہے بلکہ یہ ہمہ گیر ہندو مسلم کلچر تھا اس کلچر کے اثرات دونوں قوموں کے ہر شعبہ زندگی میں سرایت کر گئے تھے سماجی زندگی میں مسلمانوں نے ہندوؤں کے جو اثرات قبول کیے ان کے بہت سے پہلو قابل ذکر ہیں۔ رسم و رواج، طور و طریق، عادات و آداب، رہن سہن اور روزمرہ کے معاملات میں اس اثر پذیری کی مثالیں بہت ہیں، اگر یہ کہا جائے کہ ہندی مسلمانوں میں آج جو عادات و رسوم اسلامی شریعت کے خلاف پائے جاتے ہیں ان کا غالب حصہ ہندوؤں کا زمین منت ہے، تو یہ عین واقعہ کی ترجمانی ہوگی، آپ شادی بیاہ کا معاملہ ہی لے لیجیے، جہیز تلک بارات وغیرہ کی رسمیں خالص ہندوانہ رسمیں ہیں۔ جس طرح ہندو اپنے لڑکوں کی قیمت وصول کرتے ہیں مسلمان بھی کرتے ہیں۔ جس طرح وہ لڑکیوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیتے مسلمان بھی ان کی پیروی کرتے ہیں۔ جس طرح وہ بارات کے نام پر پورا قافلہ لڑکی والوں کے گھر لے جاتے ہیں اور کئی شام تک حق مہمانی وصول کرتے ہیں۔ مسلمان بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ جو چھوٹی چھوٹی رسمیں ہیں وہ بھی ہندوؤں ہی سے مستعار ہیں۔ مرزا حسن قتیل کہتے ہیں کہ ”ہندوستان کے مسلمان بیٹے اور بیٹی کی شادی میں چند رسموں کو چھوڑ کر جیسے آگ کے گرد جھکنا، باقی ساری رسمیں ہندوؤں کی طرح کرتے ہیں۔“ ہندوستان کے متعدد علاقوں میں مسلمانوں نے ہندوؤں کے ”گھر جانی“ کے تصور کو اپنالیا مثلاً کشمیر میں ”خانہ داماد“ کا تصور شمالی کاشی میں ”مروم کا تھیم“ کا قانون اور تل ناڈ کے بعض علاقوں میں بھی یہ تصور پایا جاتا ہے اس کی رو سے داماد گھر کا ایک رکن بنایا جاتا ہے اور وراثت کا حق دار ہوتا ہے ہندوؤں

میں ہولی اور دیوالی دو بڑے مشہور تیوہاریں، ان تیوہاروں میں اگرچہ اب مسلمانوں کی شرکت کم ہو گئی ہے مگر کسی زمانہ میں یہ تیوہار مسلم دربار کی زینت ہوتے تھے، امرا سے لے کر عام مسلمانوں تک سبھی ان میں دلچسپی لیتے تھے۔ نظیر اکبر آبادی نے ہولی میں مسلمانوں کی شرکت اور ان کے جوش و خروش کی ترجمانی ان اشعار میں کی ہے۔

امیر جتنے ہیں سب اپنے گھر میں ہیں شمال قبائلیں پہننے ہوئے ننگ تنگ گل کی مثال

بنائے گہری طرح حوض مل کے سب فی الحال مچاتے ہولیاں آپس میں سے میر و کمال

بے ہیں رنگ سے رنگین نکا ہولی میں

منظریہ دور کی ہولی کی مشنویوں سے کئی اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ مسلمانوں کے یہاں باقاعدہ ہولی کی محفلیں سجائی جاتی تھیں جہاں سب مل کر ہولی کھیلنے لگتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ان محفلوں میں رقص و سرود کا اہتمام ہوتا تھا اور گانے کے ساتھ تمام سازوں کا استعمال ہوتا تھا اس زمانہ میں ڈومنیوں، راج پاتروں اور کینچنوں کے علاوہ بھانڈے اور حسین و جمیل لڑکے بھی رقص کے لیے بلائے جاتے تھے۔ بچے افغانوں اور بعض دینداروں کے علاوہ سبھی مسلمان دل کھول کر ہولی میں حصہ لیتے تھے۔ بیچ لوگ بچوں کے ساتھ، دولت مند دولت مندوں کے ساتھ، اور جوان جوانوں کے ساتھ مل کر ہولی مناتے تھے۔ دیوالی میں مسلمانوں کی شرکت اور دلچسپی کا حال بھی نظیر اکبر آبادی کے اشعار میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

براک مکاں میں جلا پھر دیا دیوالی کا براک طرف کو اجالا ہوا دیوالی کا

سبھی کے دل میں سما بھا گیا دیوالی کا کسی کے دل کو مزاحوش لگا دیوالی کا

عجب بہار کا ہے دن بنا دیوالی کا

مزرا قتیل نے لکھا ہے کہ ”اس دن کی حرمت فرقہ بنود پر منحصر نہیں ہے۔ بہت سے مسلمان بھی منہدوں کے حال میں شریک ہو کر شمع محفل قمار بازی بنتے ہیں۔ جو مسلمان جو اکیلے سے گزر کرتے ہیں وہ کم از کم اپنے گھروں میں چراغاں کرتے ہیں۔ غوریش مٹی کے کھلونے، طرح طرح کی مٹھائیاں اور کھانڈ کے کھلونے پر گھر کو چراغاں کر کے دیوالی بھرتی ہیں۔ عام طور پر اس ملک کے مردان معاملات میں منہدانہ عقائد کے پیرو اور غورتوں کے مرید ہیں۔“

حضرت شیخ احمد سرہندی لکھتے ہیں کہ "کفار کی دیوانی کے زمانہ میں جاہل مسلمان خاص طور پر ان کی عورتیں کافروں کی رسمیں بجالاتے ہیں، اور عید مناتے ہیں۔ اہل کفر کے ہدایا اور تحائف اور رنگ بھرے منگے پہنوں اور بیٹوں کو بھیجتے ہیں۔ اپنے کپڑوں کے حصہ کو اس موسم میں کفار کے رنگ میں رنگتے ہیں اور سرخ رنگ سے بھر کر اس کو بھیجتے ہیں اور اس موسم کو اعتبار و اہمیت دیتے ہیں یہ سب شرک و کفر ہے اس اسلام پر اللہ کا یہ قول صادق آتا ہے وَمَا يَوْمُنَا كَشَرِّهِمْ بِاللَّهِ اَلَا وَهُمْ مُشْرِكُونَ

ہندوؤں کا ایک قدیم تہوار بسنت کا میلہ ہے، یہ ہر سال بہار نو کی آمد پر لاکھوں کے مہینے میں منایا جاتا ہے۔ اس کی رسموں میں رنگ رلیاں منانا، بسنتی لباس زیب تن کرنا، گانا بجانا اور ناز کی محفلیں سب جاتا ہے۔ اس میلہ کو مسلم امہ اور دولت مند بھی پوری شان سے مناتے تھے، ۱۸۵۷ء تک آگرہ دہلی اور شمالی ہند کے مسلمان بسنت کا میلہ دھوم دھام سے مناتے تھے۔ اس رسم کو صوفیاء نے بھی اپنا لیا تھا اور ان کی وجہ سے یہ اسلامی تیوہار سمجھا جانے لگا تھا، سعید احمد مارہروی نے اپنے زمانہ کا حال بتاتے ہوئے کہا ہے کہ پندرہ دنوں تک مختلف مزاروں پر بسنت کے اسلامی میلے نہایت دھوم دھام کے ساتھ ہوتے تھے، آگرہ میں بھی شہر کے تمام پیشہ ور مسلمان مشعلیں لے کر جنگلوں میں بسنت مناتے اور علوہ پوری کھاتے تھے، گھر میں عورتیں بھی بسنتی کپڑے پہن کر کڑھائیاں چڑھا کر کپوان کرتی تھیں، مل جل کر گیت گاتی تھیں، شمالی ہند کے اکثر شہروں اور قصبوں کے مسلمانوں میں کم و بیش بسنت کی رسمیں جاری تھیں۔

ہندوؤں میں ایک رسم یہ رائج تھی کہ وہ بیوہ عورتوں کی شادیوں کو میوہ سمجھتے تھے خواہ عورت عین جوانی کی حالت میں بیوہ کیوں نہ ہو گئی ہو اور اس نے ازدواجی زندگی کی مسرت سے لٹھ بھر بھی فائدہ نہ اٹھایا ہو مگر اس کا عقد ثانی نہیں کرتے۔ مرزا قاتل کے بقول "تمام شرفا یعنی کھتری، برہمن، کانست اور راجپوت بیوہ لڑکی کی دوسری شادی ہرگز نہیں کرتے۔ جن کے شوہر مر جاتے وہ یا تو اسی کے ساتھ جلا کر راکھ کر دی جاتی یعنی "ستی" کی نذر کر دی جاتی یا بصورت دیگر تمام عمر بن بیاسی رہتیں۔ ہندوؤں کی اس رسم کہن کا اثر مسلمانوں پر بھی پڑا حالانکہ قرآن میں صاف حکم تھا کہ وَاَنْكَحُوا اَيَامِيْ مَسْكُوٰہِ۔ مگر اس کے برخلاف انہوں نے بھی نقد بیوگان کو میوہ قرار دے کر اس رسم قبیح کو اپنا لیا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اگر لڑکی

بذات خود ہزار مردوں سے تعلق پیدا کر لے تو اس سے نہیں جھجکتے مگر اپنی خوشی سے اس کا نکاح دوسرے مرد سے نہیں کرتے بلکہ اس سلسلہ میں ایک عبرت آموز واقعہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ ایک ہندوستانی مسلمان حج کو گیا ہوا تھا عرب کے کسی شہر میں اسے کسی ضرورت سے چھ ماہ ٹھہرنا پڑا، وہاں کے ایک شہری سے اس کی دوستی ہو گئی اتفاق ایسا ہوا کہ اس کی کچھ دنوں تک ہندوستانی سے ملاقات نہیں ہوئی جس کی وجہ سے ہندوستان ایک طرح کی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ ہفتہ عشرہ کے بعد جب وہ ملاو ہندوستانی نے شکوہ کیا تو عرب نے جواب دیا کہ میری ماں کا نکاح ثانی تھا اور میرے علاوہ کوئی مجلس کا انتظام کرنے والا نہ تھا اس وجہ سے میں ان دنوں غیر حاضر رہا یہ سن کر ہندوستانی نے لاجول پڑھی عرب اس سے شرمندہ ہوا اور دوستی کو بالائے طاق رکھ کر قاضی کے سامنے پہنچا اور صورت حال رکھ دی، قاضی کے حکم سے ہندوستانی کو بلایا گیا، قاضی نے پوچھا کیا یہ صحیح ہے کہ اس کی ماں کے نکاح کی خبر سن کر تو نے لاجول پڑھی تھی؟ ہندوستانی نے جواب دیا! ہاں یہ سچ ہے اور میں نے ٹھیک ہی پڑھی تھی میں پینالٹس مارا ہوں کوہوں اس مدت میں کبھی ہندوستان میں ایسا واقعہ میرے سننے میں نہیں آیا۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا یہ بیان امیر شاہ خاں نے نقل کیا ہے کہ جب میں اپنی بہن کو مشکوٰۃ وغیرہ پڑھانا تھا تو نکاح ثانی کے فضائل قصداً چھوڑ دیتا تھا کہ مبادا بہن کو ترغیب ہو اور وہ نکاح ثانی کر لے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے شاہ اسماعیل کے گھر نے کا یہ حال تھا تو اوروں کا کیا رہا ہوگا۔ لیکن بعد میں جب اسماعیل شہیدؒ نے عقد بیوگان کی تحریک پہلائی تو لوگوں کے اعتراضات سے بچنے کے لیے اسی بہن کا بیماری کی حالت میں عقد ثانی کر دیا جو بقول امیر شاہ کے سب سے پہلا نکاح ثانی تھا۔ مگر یہ رسم کچھ اس قدر عام ہو چکی تھی کہ مسلمان اسے چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔ مولانا وحید الدین کا وعظ بڑا پراثر ہوا تھا مگر جب انہوں نے اس مسئلہ پر تقریر شروع کی تو ایک صاحب نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس مسئلہ پر بولنے سے منع کیا۔ مولانا قاسم نانوتوی نے بھی اس برائی کے خلاف جدوجہد کی اور اپنی بیوہ بہن کا بڑھاپے میں نکاح کر دیا تاکہ عقد بیوگان کی تبلیغ ہو سکے۔ ہندوہل میں ایک قییم رسم جوہر کے نام سے مومنم تھی جب دشمن کا غلبہ اور

راہِ نجات مسدود ہو جاتی تو آگ کا لاڈلہ روشن کیا جاتا اور مردِ دھورت بچے بوڑھے سب اس میں کود کر خاکستر ہو جاتے اور اسے جوہر کہتے مسلمانوں میں بھی یہ رسم رائج ہوئی اور نازک حالات میں انھوں نے اس کا ارتکاب کیا۔ ماضی قریب کی تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں مسلمانوں میں ملتی ہیں۔ نادر شاہ کے ظلم سے بچنے کے لیے پرانی دلی کے شرفاء اس رسم کو ادا کرنے کی تیاری کر چکے تھے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے حضرت حسینؑ کی یاد دلا کر ان کو اس برے کام سے باز رکھا۔ مگر اس کے باوجود اس قتل عام کے وقت ہزاروں نے رسم جوہر ادا کیا۔ بہارستان غیبی کے مصنف مرزا ناظم نے سادات خاں کو یہ ہدایات دی تھیں کہ ”تم جاؤ اور محل کے دروازہ پر پکھڑے ہو جاؤ جب تم سنو کہ میں میدان میں شہید ہو گیا ہوں تو تم محل کے تمام بڑے چھوٹے کے ساتھ رسم جوہر ادا کرو اور آسمانی بادشاہت کے لیے سفر کرو۔“

فاتحہ کی رسم کو کلمات کے لحاظ سے اسلامی کہا جاسکتا ہے لیکن ہندوستان میں اس نے وہی شکل اختیار کر لی تھی جو ہندوؤں میں چڑھاوے کی ہے۔ مختلف قسم کے پھل پھول اور کیوان وغیرہ دیوی دیوتاؤں کے نام پر اس لیے چڑھائے جاتے ہیں کہ ان کی رو میں اسی تحفہ سے لطف اندوز ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کے خواص اور عوام سب کا عقیدہ تھا کہ جو کھا نا کسی بزرگ کے نام پر فاتحہ دیا جاتا ہے اس پر اس بزرگ کی روح خود حاضر ہوتی ہے اور اس سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ غلام حسین طباطبائی نے لکھا ہے کہ:

”بعض مردم کہ دسترخوان حضرت شاہ مردان می نمایند در ان نشانی از غیب می شود چنانچہ در ہند معمولی و مکرر مردم ہوشیار چیشم خود نشانہ بارادیدہ سرمہ اعتقاد و بصیرت در دیدہ دلہا کشیدہ اند و این کرامت ازاں جناب بنظر احقر یم الحمد للہ مکرر آمدہ“

بعض لوگ جو حضرت علیؑ کے نام کا دسترخوان لگاتے ہیں اس پر غیب سے نشان پیدا ہو جاتا ہے ہندوستان میں بہت سے لوگوں نے بار بار ان نشانات کو دیکھا اور اپنے عقائد درست کیے اس احقر نے بھی یہ کرامت بار بار دیکھی۔

مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں کہ ”آج بھی ہر دس گنگا میں بہانے کے لیے

بھیجے جاتے ہیں ان کے بننے کے بعد دوسرے دن پنڈت یہ اعلان کرتے ہیں کہ جس گھاسٹ سے مردہ بہایا گیا اس کے کنارے کی ریت پر فلاں جانور کے پاؤں کے نشانات نظر آتے ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ مرنے والے نے اسی جانور کے جون میں جنم لیا جس کے نشانات پائے گئے، مجھ سے بعض معتبر برہمنوں نے بیان کیا کہ یہ کارستانی خود ان پنڈتوں کی ہوتی ہے۔

رسم فاتحہ کو پھول بھی کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر عمر صاحب کے بقول ”پھول ہندوؤں میں مردہ کی جلی ہوئی ہڈی کو کہتے ہیں جو تیسرے روز مٹھ سے چن کر جمع کر لیتے ہیں اور اس کے بعد کسی متبرک ندی میں بہا دیتے ہیں۔ اس سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ہندوؤں میں رسم تیجا اور مسلمانوں میں پھول یا فاتحہ ایک ہی رسم ہے۔

غیر مسلموں سے اختلاط کے نتیجے میں مسلمانوں کے اندر ایک اور خرابی ذات برادری اور حسب و نسب کی تفریق کی شکل میں رونما ہوئی، اسلامی نقطہ نظر سے ذات و برادری کی تفریق اور اس کی بنیاد پر امتیازی سلوک نہ صرف ممنوع ہے بلکہ اسلامی معاشرہ کو دہم برہم کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اسلام اس بات کی شدت سے تردید کرتا ہے کہ عزت، شرافت اور سربراہی کسی شخص یا چند مخصوص خاندان اور گروہ سے وابستہ ہے، کیونکہ یہ چیزیں نسلی اور جبری نہیں ہیں بلکہ ایمان و عمل اور تقویٰ اور خدمت سے جڑی ہوئی ہیں اور معزز و ہونا ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔ ذات برادری اگر باہمی تعارف اور تعاون تک محدود ہو تو معاشرہ کو صحت مند بنا سکتی ہے مگر جب اس کی بنیاد پر من و تو کی تفریق ہونے لگے، معاملات، سماجی تعلقات، اخلاقیات اور اوقار و تصورات کو متاثر اور مسموم کر دے تو ظاہر ہے کہ تباہ کن بن جاتی ہے۔ مگر اسے ہندوستانی مسلمانوں کا المیہ ہی کہا جائے گا کہ جو لوگ باہر سے آئے وہ بھی اس رسم بد سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور جو لوگ خود اسی سرزمین سے تعلق رکھتے تھے اسلام لانے کے بعد بھی ذات پات کی نفسیات سے خود کو علاحدہ نہ کر سکے۔ اسلام نے اگرچہ ان کے باطن اور ظاہر دونوں کو متاثر کیا مگر ذات و برادری کے امتیازات ان کے ذہنوں سے مچھلے ہو سکے اور اب اس کا مظاہرہ وہ مسلم سماج میں کرنے لگے۔ نووارد حضرات نسلی تقسیم اور تفریق کا تصور خواہ اپنے ساتھ ایران سے لائے ہوں جیسا کہ ڈاکٹر عمر کا خیال ہے یا ہندوستان میں معزز رہنے اور

مسلمانوں پر ہندو سماج کے اثرات

اشرف میں شمار کیے جانے کے لیے اس رسم کو قبول کر لیا ہو سب کا ڈاکٹر اشرف کہتے ہیں۔ یہ بہر حال ایک حقیقت ہے کہ دوسرے اسلامی ممالک کے مقابلے میں ہندوستان میں اس کے گہرے اثرات پڑے اور آج تک مسلم سماج اس طبقہ واریت کا شکار رہا آتا ہے۔ بقول ڈاکٹر اشرف "اسلام سے ہندوستان کے طبقات اور ان کے مسائل میں ایک تبدیلی ضرور آئی لیکن ذات پات کا رواج قطعی طور پر ختم نہ ہو سکا، مسلمان خود ہندوستان میں طبقہ وارانہ تقسیم کے نظریہ کا شکار ہو گیا اور قرآن کے پیغام کو فراموش کر بیٹھا۔" کھیل تماشوں کے میدان میں بھی مسلمانوں نے برادران وطن سے بہت کچھ اخذ کیا اور بہت سے ان کھیلوں کو اپنا باجوہ شرعی طور پر حرام تھے، مثلاً جوا، شطرنج، شیر بازی، طوط بازی، مرغ بازی، پتنگ بازی وغیرہ ان تمام غیر شرعی چیزوں کو قبول کرنے میں جہاں مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی کے آزادانہ اختلاط کو دخل ہے وہاں ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہندوستان میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ کا کوئی معقول انتظام نہ ہو سکا، مختلف عوامل و اسباب کے تحت قبول اسلام میں اضافہ تو ہوا مگر اس کی مناسبت سے ان کو کامل مسلمان بنانے کی سعی نہ کی جاسکی اور ان کے قدیم ہندوانہ خیالات اور مراسم کی نظہیر نہ ہو سکی، اس لیے وہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی ہندوانہ تہذیب سے کسی نہ کسی حد تک تعلق اور وابستگی رکھتے تھے۔ دیہاتی علاقوں میں اسلام قبول کرنے والے اپنے قبیلہ کے ہندوؤں سے بدستور جڑے رہتے تھے، ان میں سے اکثر ہندو بیویاں رکھتے تھے، اور ہندو رسوم کی پابندی کرتے پھر ان کے اثرات متحدی ہو کر عام مسلمانوں میں پھیلتے اور موثر طریقہ پر نسل در نسل یہ سلسلہ چلتا رہتا۔ راجستھان میں آج بھی اس طرح کی چیزیں ملتی ہیں، مثلاً راجپوت مسلمانوں کا اپنے راجپوت ہونے پر فخر کرنا اور جیتنا اور مہرات ذاتوں کا اپنی سابقہ روایات سے تعلق رکھنا وغیرہ۔ ڈاکٹر محمد حسین لکھتے ہیں "نومسلم حضرات جو ہندو معاشرہ سے بیزار ہو کر نکلتے تھے یا جبراً اسلام قبول کرتے تھے وہ مادی طور پر اپنے نقطہ نظر اور سماجی حیثیت سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہ تھے حالانکہ کچھ تبدیلیاں بعض دوسرے پہلوؤں سے ضرور پیدا ہو جاتی تھیں مگر اسلامی عقیدہ کو وہ کامیابی ہندوستان میں حاصل نہ ہو سکی جو اس نے مصر ایران اور بازنطین میں حاصل کی تھی، مذہب کی تبدیلی نے ان کے حالات اور ماحول کو نہیں بدلا جس میں پورے طور پر سماجی زندگی

خرافات اور اوہام اور طبقاتی حد بندیاں سبائیت کر گئی تھیں۔ جب سلطان محمود بیگزہ نے ۱۲۴۳ء میں سندھ پر حملہ کیا تو سندھیوں نے مصالحت کی درخواست کی سلطان نے یہ دیکھ کر کہ سندھی مسلمان ہونے کے مدعی تھے ان کی درخواست قبول کر لی لیکن چونکہ ان میں بہت سی ہندوانہ رسمیں باقی تھیں اس لیے وہ بہت سے سندھیوں کو ہنوا کر ٹھلے گیا تاکہ انھیں اسلام کی صحیح تعلیم دے کر واپس بھیجے اور وہ اپنے ملک میں جا کر اپنے ہم مذہبوں میں صحیح اسلام پھیلائیں۔ سلطان جہانگیر نے پندرہویں سال جلوس کے واقعات میں کشمیر کے علاقہ راجوری کے بعض مسلمان راجپوتوں کی نسبت لکھا ہے کہ ”یہاں کے زمین داروں کو راجہ کہا جاتا ہے، ان کو سلطان فیروز تغلق نے مسلمان بنایا تھا اس کے باوجود وہ راجہ کہلاتے تھے، ان کے درمیان آج بھی ایام جاہلیت کی بدعت رائج ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ بعض ہندو عورتیں شوہر کے ساتھ خود کو بھی جلا دیتی ہیں، چنانچہ یہ لوگ بھی شوہر کے ساتھ بیوی کو درگور کر دیتے ہیں۔ سنا گیا ہے کہ انہی دنوں میں دس بارہ سال کی ایک لڑکی کو زندہ اس کے شوہر کے ساتھ قبر میں ڈال دیا، دوسری بات یہ ہے کہ بعض کم تہہ لوگوں کے یہاں جب لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اس کو مار ڈالتے ہیں یا دوسرے کو دے دیتے ہیں۔“

آرنلڈ نے مسلمانوں کے آخری دور کی اصلاحات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”بعض اس طرف مائل ہوتے ہیں کہ جاہل مسلمانوں کے ذہن سے ہندوانہ تعصبات دور کر کے مذہب کو زیادہ پاک صاف صورت میں ان کے دل پر نقش کریں، اس قسم کی کوششیں اکثر حالات میں قدیم داعیان اسلام کے ادھورے کام کو تکمیل دینے کے لیے کی جاتی ہیں۔ کیونکہ بعض صورتوں میں داعیان اسلام نے ہندوؤں کو اچھی طرح مسلمان نہیں بنایا، بہت سے برائے نام مسلمان ایسے موجود ہیں جو آدھے ہندو ہوتے ہیں ذالوں کا فرق اتنے میں ہندوؤں کے تہوار مناتے ہیں اور بت پرستی کی اکثر رسموں کے پابند ہیں۔ بعض انداز جیسے بیوات اور گڑگاؤں وغیرہ میں بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو اپنے مذہب سے بجز نام کے کچھ واقفیت نہیں رکھتے، نہ ان کے یہاں مسجدیں ہیں اور نہ وہ نماز کے پابند ہیں۔ یہ حال خاص ان دیہات یا ایسے مقامات کے مسلمانوں کا ہے جو مسلمانوں کے بڑے شہروں سے دور ہیں۔“

اکثر اپنے نام کے ساتھ ہندی لقب لگاتے ہیں اور شادی بیاہ میں ہندوئی رسموں کی پابندی کرتے ہیں۔ مرزاپور میں گھردار راج پوت آباد ہیں جو مسلمان ہیں اور خانگی امور میں ہندوؤں کے آئین و رسوم کے پابند ہیں اور نو مسلم اپنے نام کے ساتھ ہندو نامہ لقب لگاتے ہیں مثلاً بجگوئی، راؤ وغیرہ۔

مغلیہ عہد حکومت میں جادو ٹوٹکے وغیرہ کا بڑا زور تھا اور ہندو اس میں صرف اعتقاد ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ کثرت اس کا استعمال کرتے تھے اور مسلمان ہونے کے بعد بھی جو اس فن میں دسترس رکھتے تھے وہ اس سے دست بردار نہیں ہوتے تھے ان کے ساتھ باہر سے آئے ہوئے مسلمانوں نے بھی رفتہ رفتہ اس فن میں مہارت پیدا کر لی اور اس کے نتیجے میں اسلام کی تعلیم کے علی الرغم عام مسلمان جادوگری پر اعتقاد رکھنے لگے۔ ان تمام تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ بقول ڈاکٹر عمر ہندو رسم و رواج عادات و اطوار طرز معاشرت اور توہمات نے بہت جلد اسلامی رسم و رواج کو پس پشت ڈال دیا اور اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے رسم و رواج اور سماجی اور معاشرتی زندگی میں صرف نام کا فرق رہ گیا۔ یہاں تک کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کو کہنا پڑا کہ ”احکام کثیرہ اہل کفر در اہل اسلام شونی پیدا کردہ اندر علیٰ اعتراف حکمت ہندوستان کی تہذیب کا گہرا مشاہدہ کرنے کے بعد یہ تبصرہ کرتا ہے کہ:-

ہندومت اور اسلام کا اختلاط و امتزاج در حقیقت دو صدیوں بعد شروع ہوا یہ وہ وقت تھا کہ مسلمان جنگ و جدال اور مملکت گیری سے فارغ ہو کر ہندوستان کے مفتوح ممالک میں اقامت و سکونت اختیار کر چکے تھے اور مجبور تھے کہ ہندوؤں کے ساتھ ہم وطن اور ہم شہری کی طرح زندگی گزاریں اور ان سے ملک داری، علم و صنعت کے معاملے میں استفادہ کریں۔ ہندو بھی مجبور تھے کہ نووارد مسلمانوں کے ساتھ ہر شے اور علاقہ میں تال میل پیدا کریں۔ اس سے چھٹی صدی ہجری کے بعد کی صدیوں میں مستقل طور پر وہ تہذیب و تمدن ظہور میں آیا جو تہذیب اسلامی ہند کے نام سے موسوم ہے۔ یعنی آج جو تہذیب مسلمانوں کا سرمایہ افتخار ہے وہ اس آئیدیل اسلامی تہذیب کا ہم معنی نہیں ہے جو قرآن و سنت اور نقد س اسلامی تاریخ سے جلوہ گر ہے۔

مولانا حالی نے ”مشکوٰۃ ہند“ میں کہا ہے:-

کر دیا شیروں کو تو نے گو سفند سے خاک بند جو تہ کا رافٹس تھے اگر سو گئے یاں نہ دوشکار
چھین لی سب ہم سے یاں شانِ عربانِ عجم تو نے اے غارت گرا قوام واکال الامم

حوالہ جات

- ۱۔ علی اصغر حکمت، سرزمینِ ہند، ص ۵۸، تہران ۱۳۳۳ء
- ۲۔ بی بیان، تمدنِ ہند ص ۱۳۵، اردو ترجمہ غلام علی آزاد بلگرامی، لاہور ۱۹۱۳ء
- ۳۔ ابوالقاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ ۲۳۴/۱، نول کشور لکھنؤ
- ۴۔ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی ص ۱۲۱، ملکتہ
- ۵۔ ملا عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ ۱/ ۲۱۴، ملکتہ ۱۸۶۸ء
- ۶۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر ص ۳۹۴، لاہور ۱۹۸۶ء
- ۷۔ M.T. Hus, Islam in India and Pakistan P.P 158, 165
Calcutta, 1959.
- ۸۔ عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، دوم ص ۲۱۴، ملکتہ ۱۸۶۸ء
- ۹۔ Azeez Ahmad, Studies in Islamic culture P. 93
- ۱۰۔ ڈاکٹر تاج چند، اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر ص ۲۶۴، ترجمہ رحمہ اللہ الباشی
دہلی ۱۹۶۶ء
- ۱۱۔ Azeez Ahmad, Studies in Islamic culture P. 150
- ۱۲۔ Mehdi Yaseen, A social History of Islamic India PP. 92
Lucknow, 1958
- ۱۳۔ ڈاکٹر محمد عمر، ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر ص ۲۲۳، ترقی اردو بورڈ، دہلی
- ۱۴۔ Islam in India and Pakistan PP. 161
- ۱۵۔ مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۱۱، بنام ایک صالحہ عورت
- ۱۶۔ اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر ص ۲۶۴
- ۱۷۔ مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۱۱
- ۱۸۔ اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر ص ۲۶۴

مسلمانوں پر ہندو سماج کے اثرات

۷۵

۵۲۰ ملفوظات شاہ عبدالعزیز اردو ترجمہ ایوب قادری ص ۷، کراچی ۱۹۶۰ء

۵۲۱ *Studies in Islamic culture* P.P. 134

۵۲۲ *Ishtiaque Hussain Quraishi, The Muslim Community of the Indopakistan Sub continent* P.P. 147 Delhi 1985

۵۲۳ خلیق احمد نظامی سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۷۳، دہلی ۱۹۵۸ء

۵۲۴ ایضاً

۵۲۵ K.A.Nizami, *Some Aspects of Religion and politics in India during the thirteen century*, P.178-79 Aligarh 1961

۵۲۶ مکتوبات کلیم اللہ ص ۸۶، تاریخ شائع چشت ۲۱۰/۵، ادارہ ادبیات دہلی ۱۹۸۴ء

۵۲۷ مکتوبات قدوسیہ ص ۲۱۴، مطبع احمدی دہلی۔

۵۲۸ فوائد الفواد مرتبہ امیر حسن علاء بخاری

۵۲۹ رود کوثر ص ۳۸۲

۵۳۰ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر ص ۳۱ ایضاً

۵۳۱ *Islam in India and Pakistan* P. 168

۵۳۲ *Studies in Islamic culture in the Indian Environment*

P. 137, Oxford. 1964

۵۳۳ رود کوثر ص ۵۴

۵۳۴ اقتدار حسین، اردو میں تاریخ نگاری، سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ جولائی ستمبر ۱۹۸۶ء

۵۳۵ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر ص ۳۴۲

۵۳۶ ڈاکٹر عابد حسین، قومی تہذیب کا مسئلہ ص ۱۸، ترقی اردو بیورو، دہلی۔

۵۳۷ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر ص ۳۲

۵۳۸ مرزا محمد حسن قتیل، ہفت تماشا، اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد عمر ص ۱۳۹ دہلی ۱۹۶۸ء

۵۳۹ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر ص ۱۶۶

۵۴۰ ہفت تماشا ص ۹۲ ایضاً ص ۸۳-۸۴

۵۴۱ مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم مکتوب ص ۷۱

- ۱۸۵۴ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر ص ۱۸
- ۱۲۵۵ ہفت تماشہ ص ۱۲۵ ۱۲۵۶ ایضاً ص ۱۲۸ ۱۲۵۷ ایضاً ص ۱۳۵
- ۱۲۵۸ مناظر احسن گیلانی، سوانح قاسمی ۱۸/۲ دارالعلوم دیوبند
- ۱۲۵۹ ایضاً ص ۹ ۱۲۶۰ ایضاً ص ۱۳
- ۱۲۶۱ مناظر احسن گیلانی، تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ص ۱۱۱، کراچی ۱۹۵۹ء
- ۱۲۶۲ ڈاکٹر محمد عمر، اٹھارہویں صدی میں ہندوستانی معاشرت ص ۲۳
- ۱۲۶۳ Social History of Islamic India P. 90
- ۱۲۶۴ طباطبائی، سیر المتاخرین ۲۵/۲
- ۱۲۶۵ تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ ص ۱۲۵
- ۱۲۶۶ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر ص ۱۲۳
- ۱۲۶۷ ایضاً ص ۸۵
- ۱۲۶۸ K. M. Ashraf. Life and Conditions of the people of Hindustan. PP. ۱۰۰, Delhi, 1970.
- ۱۲۶۹ ایضاً ص ۱۱۲
- ۱۲۷۰ Studies in Islamic Culture in the Indian Environment P. 85
- ۱۲۷۱ A social History of Islamic India P. ۱۶
- ۱۲۷۲ آب کوثر ص ۴۹
- ۱۲۷۳ رود کوثر ص ۲۳
- ۱۲۷۴ آرٹلڈ، دعوت اسلام، ص ۳۴، آگرہ ۱۸۹۸ء
- ۱۲۷۵ ایضاً ص ۲۱۱، کراچی ۱۹۶۲ء
- ۱۲۷۶ بدایونی، منتخب التواریخ ۲۵/۲
- ۱۲۷۷ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر ص ۲۶۱
- ۱۲۷۸ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول مکتوب ۶۵ بنام خان اعظم
- ۱۲۷۹ سرزمین ہند ص ۶